۸؍اگست ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۳۰

اس شمارے میں

ایڈیٹر ہماری زبان محترم سرور صاحب اپنی ناسازیٔ طبع کی وجہ سے زیر نظر شمارے کا اداریہ نہیں لکھ سکے۔

(ادارہ)

اردو کے عظیم شاعر فراقؔ گورکھپوری کو

ایک لاکھ روپے کا انعام

نئی دہلی۔ اردو زبان کے عظیم شاعر پروفیسر رگھوپتی سہائے فراقؔ گورکھپوری کو ان کی غزلوں اور نظموں کے مجموعہ "گلِ نغمہ" پر ۱۹۶۹ء کا بھارتیہ گیان پیٹھ کا ادبی ایوارڈ دیا گیا ہے ایوارڈ میں فراقؔ صاحب کو ایک تمغہ اور ادبی انعام کی علامت کے طور پر واگ دیوی کانسہ کا مجسمہ اور ایک لاکھ روپیہ نقد دیا جائے گا سال کے آخر تک یہاں ایک خصوصی تقریب منعقد ہوگی جس میں یہ انعام گلِ نغمہ کے شاعر کے حوالے کیا جائے گا۔

گلِ نغمہ کو اس سے قبل ساہتیہ اکاڈمی کا ادبی انعام اور حکومت اترپردیش کی ہندی سمتی کا انعام بھی مل چکا ہے۔

فراقؔ گورکھپوری گذشتہ ۵۰ سال سے اردو شعر و ادب کی خدمت کر رہے ہیں انھوں نے فارسی، انگریزی، اردو، ہندی اور سنسکرت ادب کا نہایت عمیق مطالعہ کیا ہے اور ان کے تاثرات سے اردو شاعری کو مستفیض کیا ہے۔ گلِ نغمہ کو اس گرانقدر انعام سے نواز کر ایک بار پھر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اردو ملک کی ایک عظیم و اہم عوامی زبان ہے اور اس کا کسی مذہب یا فرقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اردو کا المیہ

اردو روزنامہ انڈین ایکسپریس کے فاضل ایڈیٹر نے پاکستان میں اردو کے مستقبل سے جوش ملیح آبادی کے اظہار مایوسی سے متاثر ہو کر اپنے موقر جریدے کی یکم اگست کی اشاعت میں جو اداریہ قلمبند کیا ہے اس کا ترجمہ قارئین ہماری زبان کی دلچسپی کے لئے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(ادارہ)

اگرچہ اردو ملک کے بہت سے حصوں میں بولی جاتی ہے اور ہندوستان کے آئین میں اس کو قومی زبانوں میں شمار کیا گیا ہے لیکن پھر بھی یہاں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو اس کو فرقہ وارانہ غیر ملکی زبان سمجھتے ہیں۔ یہ لسانی عصبیت آزادی سے پہلے ہی پیدا ہو گئی تھی جب کہ ہندی اردو کی بحث نے ہندو مسلم دشمنی کا روپ دھارن کر لیا تھا۔

تقسیم ملک کے بعد اردو بولنے والے علاقوں سے بہت سے مسلمان پاکستان ہجرت کر گئے جہاں اردو زبان کو قومی زبان کا درجہ دیدیا گیا تھا۔ حصول اقتدار کے بعد ایوب خاں نے تو یہاں تک کہدیا کہ "اردو کے مخالف پاکستان کے غدار [illegible]

کی حمایت کو غلط رنگ میں پیش کیا جانے لگا۔

اب جب کہ اردو کے مستقبل کو پاکستان میں بھی تاریک بتایا جاتا ہے تو بیچاری اردو اب کہاں جائے؟ کراچی کے ایک اخبار کی رپورٹ کے مطابق اردو کے مشہور شاعر جوش ملیح آبادی نے اپنے اعزاز میں منعقدہ ایک تقریب کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے پاکستان میں اردو کے مستقبل سے مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ مشرقی پاکستان میں اردو کی قانونی حیثیت پہلے ہی ختم کر دی گئی تھی۔ اب مغربی پاکستان سے بھی اس کو دیس نکالا دینے کے لئے زور دار آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ خصوصاً ایک یونٹ کے خاتمہ کے بعد پاکستان میں علاقائی زبانیں پھر سے زندہ ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ پنجاب بھی جو اردو کا گہوارہ تھا اب لسانی انفرادیت کی زور آزما تحریک سے متزلزل ہو رہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جوش ملیح آبادی کو سب سے زیادہ تکلیف اس سے پہنچی کہ پنجابی کی حمایت میں جو جلوس نکلے اُن میں اردو کے ممتاز شعرا فیض احمد فیض اور حفیظ جالندھری بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ ریٹائرڈ فوجی افسروں کی قائم کردہ انجمن "پنجاب اتحاد تحریک" اپنے پیروؤں کو اردو کی بجائے پنجابی کے استعمال کی ہدایت کرتی ہے۔ شمالی مغربی صوبہ، سندھ اور بلوچستان میں اردو مخالف جذبات اور بھی زیادہ پائے جاتے ہیں۔ بہت سی سیاسی جماعتیں اردو کی جگہ علاقائی زبانوں کے استعمال کا پروپیگنڈہ کر رہی ہیں۔ اب صرف جماعت اسلامی ہی ایک ایسی جماعت رہ جاتی ہے جو مغربی پاکستان میں اردو کی بقا کی حامی ہے لیکن اس کے اسلام دوست اور اردو دوست عناصر کے متحدہ محاذ بنانے کی پکار پر صرف وہی مہاجر توجہ دے سکتے ہیں جو ہندوستان کے اردو بولنے والے علاقوں سے وہاں ہجرت کر گئے ہیں۔

بہر حال اردو کا ہندوستان پر بڑا حق ہے کیوں کہ یہ زبان یہیں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی۔ یہ زبان ملک کی مختلف تہذیبوں اور زبانوں کے باہمی امتزاج کی نمائندہ یادگار اور سیکولرزم کی نشانی ہے۔ متعدد ریاستوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے بہت سے گھرانوں میں بولی جاتی ہے۔ اگرچہ پاکستان سے اس کا اخراج افسوس ناک ہے مگر اس سے وہ غیر ملکی ہونے کے الزام سے بری ہو جائے گی۔ اگر یہ مالا مال زبان اپنی جنم بھومی سے بھی آہستہ آہستہ ختم کر دی گئی تو یہ ایک بہت بڑا لسانی المیہ ہوگا۔ اس لئے اردو کی تعلیم کے تحفظ اور ترقی کے لئے بھرپور کوشش کی ضرورت ہے۔ اتر پردیش اور بہار جیسی ریاستوں میں اس کو ایک اضافی سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لئے قابل یقین وجوہات موجود ہیں۔

کل ہند مضمون نگاری کا مقابلہ

ادارہ بیدار حیدرآباد کی جانب سے نوجوانوں میں علم و ادب کا شوق پیدا کرنے اور اخلاقی و مذہبی ذوق کو ابھارنے کے لیے کل ہند پیمانے پر مضمون نگاری کا مقابلہ منعقد کیا جا رہا ہے جس میں بارہ سال سے بیس سال تک کے عمر والے لڑکے و لڑکیاں شرکت کر سکیں گی۔ فنکار اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی پاکیزہ و سبق آموز عنوان پر کہانیاں، افسانے، مضامین، مقالے، انشائیے یا دیگر ادبی تخلیق روانہ کر سکتے ہیں۔

انعام اول پچاس روپے، انعام دوم تیس روپے، انعام سوم پندرہ روپے نقد دئے جائیں گے۔ ان کے علاوہ دس ترغیبی انعامات کتابی شکل میں دئے جائیں گے انعام یافتہ تمام مضامین کو مضمون نگار کے فوٹو کے ساتھ ادارہ کے ساونیر میں شائع کیا جائے گا۔ مضامین داخل کرنے کی آخری تاریخ ۲۱ر اگست ۱۹۷۰ء مقرر کی گئی ہے۔ شرکت فیس صرف ایک روپیہ مقرر کی گئی ہے۔

دیگر تفصیلات:۔ شرائط شرکت اور داخلہ فارم کے لئے (۴۰) پیسوں کے ٹکٹ بھیج کر ادارہ بیدار ۲۲۷ ہری باؤلی حیدرآباد ۲ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ بالمشافہ ملاقات ۷ تا ۹ بجے صبح۔

• شعبۂ نشر و اشاعت ادارۂ بیدار حیدرآباد دکن

شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی آصف علی

اردو وظائف

آصف علی اردو وظائف تعداد میں تین ہیں اور ہر وظیفہ پچھتر روپیہ ماہوار کا ہے جو صرف ان طالب علموں کو ملے گا جو۔

(۱) دہلی یونیورسٹی میں جون کے وسط میں آکر ایک مقابلہ کے اردو امتحان میں شریک ہوں گے۔

(۲) جن کے بی۔اے کے نتائج کا اعلان دیر میں ہوتا ہے وہ بھی اس مقابلہ کے امتحان میں شریک ہو سکتے ہیں۔

(۳) جو طالب علم مقابلہ کے امتحان میں اول، دوم یا سوم آئیں گے ان کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ دہلی یونیورسٹی کے اردو ایم۔اے میں داخلہ لیں۔

• پیغام

تصحیح

قارئین ہماری زبان یکم راگست کے شمارے میں صفحہ ۸ پر زیرِ عنوان "فاخر حسین صاحب کے بارے میں" کتابت کی دو غلطیاں نوٹ فرمالیں چوتھی سطر میں پرلیس کی بجائے پریس اور اشعار سے پہلے شاعر کا نام ناصر حسین کی جگہ فاخر حسین ہے۔

ادارہ

وقار خلیل

آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈیمی

آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈیمی کا خیال آتے ہی ذہن فوراً محمد قلی قطب شاہ کے دور کی طرف جاتا ہے۔ اب سے تقریباً چار سو سال پہلے جبکہ دکن میں قطب شاہوں کی حکومت تھی اور محمد قلی اپنے باکمال ہندوستانی فرمانروا نے دکنی (قدیم اردو) کے ساتھ ساتھ تلگو اور فارسی زبانوں کے ادب کو جس خلوص اور چاؤ سے آگے بڑھایا تھا ٹھیک ان ہی خطوط پر حیدرآباد میں ساہتیہ اکیڈیمی "اپنی" خدمات انجام دے رہی ہے۔

آندھرا پردیش کے صدر مقام حیدرآباد میں ۷ر اگست ۱۹۵۷ء کو راشٹرپتی ڈاکٹر راجندر پرشاد کے ہاتھوں ساہتیہ اکیڈیمی کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس زمانے کے ریاستی وزیر ڈاکٹر بی گوپال ریڈی جنھیں ہم حیدرآبادی وزیر شاعرہ بھی کہتے رہے ہیں، اور جو اب اترپردیش کی گورنری کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں، اس اکیڈیمی کے صدر الصدور ہیں اور حیدرآباد کے شریف النفس، عوامی خدمت گزار علم و ادب کے رمز شناس جناب دیولا پلی راما نجا راؤ اکیڈیمی کی معتمدی کے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔

ساہتیہ اکیڈیمی کے اغراض و مقاصد میں تلگو زبان اور ادب کی ترویج و اشاعت، تحقیقی اور تخلیقی ذہنوں کی تربیت اور حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کے علوم و فنون سے تلگو والوں کو واقف کرانا بھی ہے۔

حیدرآباد کے بارے میں ڈاکٹر بی، رام کرشنا راؤ نے کہا تھا کہ "یہ شہر پانچ زبانوں کا سنگم ہے اور یہاں سب زبانوں میں کلچرل روابط پائے جاتے ہیں۔" ساہتیہ اکیڈیمی بھی دکن میں بولی جانے والی زبانوں کے ادب کو فروغ دینے اور ادیبوں اور شاعروں اور دانشوروں میں خیرسگالی کو فروغ دینے کی سعی میں سرگرم عمل ہے۔ اس اکیڈیمی کے علمی و ادبی کارنامے بڑے وسیع رہے ہیں اب تک اس کی طرف سے تلگو ادب پر سو کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اردو کی تیرہ قابل قدر مطبوعات منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اسی طرح ہندی اور سنسکرت کی نصف درجن سے زیادہ کتابیں اکیڈیمی نے طبع کی ہیں۔ اکیڈیمی کو ان کاموں کی بحسن و خوبی تکمیل کے لئے حکومت آندھرا پردیش سے سالانہ ایک لاکھ پچاس ہزار کی گرانٹ ملتی ہے اور مرکزی حکومت سے بھی مختلف اسکیموں کے تحت امداد ملتی رہتی ہے۔ حکومتوں سے روپیہ تو بہت سے ادارے لیتے اور صرف کرتے ہیں مگر ساہتیہ اکیڈیمی کام کرتی ہے۔ تیرہ سال کے مختصر سے عرصے میں کتنی ہی تلگو ادب کی کلاسیکل کتابیں اس ادارہ نے شائع کیں، کتنے ہی ادیبوں، شاعروں، کہانی کاروں اور ریسرچ اسکالروں میں ادب کی تخلیق کا حوصلہ پیدا کیا۔

اکیڈیمی کی تلگو مطبوعات میں چیپ کلاسیکس کے سستے ایڈیشن تلگو سے تلگو، اردو سے تلگو اور تلگو سے اردو لغت اور مختلف علوم و فنون پر انسائیکلوپیڈیا قسم کی مبسوط حوالہ جاتی کتابیں بھی شامل ہیں جن میں براؤن کی ڈکشنری کے تلگو ایڈیشن، اسٹوڈنٹس ڈکشنری، تلگو شعر و ادب کے تذکرے اور ببلوگرافی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

ساہتیہ اکیڈیمی کی طرف سے ہر سال تلگو میں ناول، افسانہ، ڈرامہ، شعر اور تنقید کے موضوعات پر پانچ انعامات کا اعلان کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ گذشتہ پانچ سال سے جاری ہے اس مقابلہ میں تلگو کے ملک گیر ادیب، شاعر اور مصنف حصہ لیتے ہیں، یہ انعام ایک ہزار ایک سو سولہ روپیوں پر مشتمل ہوتا ہے اور منتخبہ ادبی کارنامے یا کتاب پر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح سالانہ چار ہزار کے دو انعامات ریسرچ اسکالروں کو دئے جاتے ہیں جو اکیڈیمی کے اعلان کے مطابق مقررہ موضوع پر مقالہ کا مسودہ داخل کرکے حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح کی حوصلہ افزائی گزشتہ بارہ سال سے ہو رہی ہے اس کے علاوہ ساہتیہ اکیڈیمی تلگو کی خواتین ادیبوں کے لئے بچوں کے ادب کی تخلیق پر ایک ہزار ایک سو سولہ روپے کی رقم دو انعامات کی صورت میں سالانہ تقسیم کرتی ہے۔ علاوہ ازیں ہر سال تلگو ادیبوں کی مطبوعات کی اشاعت میں سہولت کی غرض سے (۱۵) ہزار روپے حسب ضرورت ان کے ادبی کام اور اس کی اہمیت اور افادیت کی جانچ کے بعد تقسیم کرتی ہے۔ اس طرح کی امداد و اعانت سے اب تک (۲۰) تلگو ادیب استفادہ کر چکے ہیں اور ڈیڑھ سو کے قریب کتابیں اس جذبے کے تحت چھپ چکی ہیں۔

ایک زبان کے ادب کا دوسری زبان میں ترجمہ بھی ساہتیہ اکیڈیمی کا منصب رہا ہے۔ سنسکرت کی چند علمی کتابوں کے تلگو تراجم بھی بھاری تعداد میں چھپے ہیں۔ اسی طرح بعض تلگو کی شاہکار کتابیں ہندی، سنسکرت اور اردو میں متن، تشریح اور تعارف کے ساتھ شائع ہوئی ہیں۔ ساہتیہ اکیڈیمی تلگو کے قابل قدر ہیکنڑی مخطوطات کی اشاعت بھی کرنے والی ہے اور اس کی لائبریری میں (۷۰) اہم مخطوطات محفوظ ہیں۔ اکیڈیمی کی لائبریری میں تقریباً ۵ ہزار حوالہ جاتی کتب کا ذخیرہ ہے جس سے ریسرچ اسکالر بڑی تعداد میں استفادہ کرتے ہیں اور یہ کتابیں تلگو، ہندی، اردو، سنسکرت اور بنگالی زبانوں کے ادب پر مشتمل ہیں۔

ساہتیہ اکیڈیمی نے غالب صدی کے موقع پر شاعری اور تنقید پر دو تلگو کتابیں شائع کرکے غالب کے فکر و فن کو زبردست خراج ادا کیا ہے۔ کلام غالب کا خوبصورت انتخاب اردو اور تلگو رسم الخط میں ہے اور پھر اشعار کی توضیح و تشریح بھی کی گئی ہے یہ کام اردو کے مشہور انشا پرداز رشید قریشی کے تعاون سے

تکمیل پایا ہے۔ اسی طرح ممتاز رباعی گو حضرت امجد حیدرآبادی کی سو رباعیات تلگو اور اردو رسم الخط میں توضیح و تشریح کے ساتھ شائع ہوئی ہیں، جسے تلگو ادیب سداسیو (ایم۔ اے) نے مرتب کیا ہے۔ پروفیسر احتشام حسین کی ہسٹری آف اردو لٹریچر کا تلگو ایڈیشن اور مثنوی مولانا روم کا تلگو ایڈیشن بھی اکیڈیمی نے شائع کر کے ادبیات مشرق سے تلگو دانوں کو روشناس کرایا ہے۔ تلگو کے مختصر افسانوں کے اردو تراجم اور اردو کہانیوں کے تلگو ایڈیشن بھی اکیڈیمی کے لسانی اور ادبی شعور اور یگانگت کی مثال ہیں۔ اس کے علاوہ اکیڈیمی وقتاً فوقتاً اپنی کلچرل سرگرمیوں کا مظاہرہ کرتی رہتی ہے۔

ساہتیہ اکیڈیمی کے شعبۂ اردو کی علمی خدمات تاریخ ادب میں یادگار رہیں گی۔ ادیبوں کی حوصلہ افزائی اور ان کی کتابوں کی اشاعت کے لئے اکیڈیمی نے اب تک مولوی غلام رسول، ڈاکٹر سیدہ جعفر، سعادت نظیر صاحب کے علاوہ فانی کی حیات اور شاعری پر ریسرچ کے لئے ڈاکٹر مغنی تبسم اور سلیمان اریب صاحب کو بھی امداد دی ہے۔ اردو کے دو ڈرامہ نگاروں ڈاکٹر محمد حسن (دہلی) اور منجو قمر صاحب (حیدرآباد) کو ان کے ڈراموں پر ایک ہزار ایک سو سولہ روپے کے دو انعامات دئے ہیں۔

ساہتیہ اکیڈیمی کے اردو ایڈوائزری بورڈ میں پروفیسر حبیب الرحمٰن، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، جناب عابد علی خاں، ڈاکٹر حسینی شاہد، جناب رشید قریشی، پروفیسر زینت ساجدہ، جناب منوہر راج سکسینہ اور راجکماری اندرا دھن راج گیر شامل ہیں۔

اکیڈیمی کی قابل قدر اردو مطبوعات میں حیدرآباد کے ادیب اور شاعر (دو حصے)، دکھنی اردو لغت، دکنی زبان کا آغاز اور ارتقا، دکنی رباعیات، موہن، تلگو افسانے، شیشہ و تیشہ، سرود وقت، رہنمائے کتاب داری شامل ہیں۔ اکیڈیمی اپنے اشاعتی پروگرام میں حیدرآباد کے ادیب اور شاعر سلسلے کی تیسری جلد کا اہتمام کرے تو یقین ہے نئی نسل کی بھی بھرپور نمائندگی ہوگی۔ رامانجا راؤ کی سرگرم عمل معتمدی اور بے لوث ادبی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ یہ ادارہ آندھرا پردیش میں ادب کے فروغ اور اس کی پاسداری کے فرائض عمدگی سے ادا کر رہا ہے اور ایسی کوششیں ملک کے دیگر علاقوں کے ادب اور ادیبوں کے لئے مشعل نور قرار پاتی ہیں۔

صفحہ ۶ سے آگے

"س" اور "ص"، "ح" اور "ہ"، "ذ"، "ز"، "ض" اور "ظ" ایک ایک آواز کے لئے کئی کئی حروف رہ گئے ہیں۔ اس صورت حال پر بہت سے لوگ نادانی کی وجہ سے معترض ہوتے ہیں۔ اردو میں صرف وہی الفاظ ایک جیسی آواز کے باوجود الگ الگ حروف سے لکھے جاتے ہیں جو فارسی اور عربی سے ماخوذ ہیں اس طرح ان کی لسانیاتی اہمیت برقرار ہے اور آج ان کی اصل کا سراغ بہ آسانی مل سکتا ہے ٹھیک اسی طرح جیسے انگریزی میں بہت سے ساکن حروف اپنے سرچشمہ کا پتہ دینے کی بنا پر لسانی اہمیت رکھتے ہیں اور املا میں ہنوز استعمال ہوتے ہیں عربی اور فارسی کے سوا دوسری زبانوں سے جو الفاظ اردو میں آئے ہیں ان میں یہ ہم صوت اور متنوع حروف ذرا بھی الجھن پیدا نہیں کرتے، کیونکہ ان کے لئے ایک عام اور بہت سیدھا سادہ اصول ہے اور وہ یہ کہ ان مذکورہ پانچ شقوں میں سے پانچ ہی حروف "ا" "ت" "ز" "س" اور "ہ" استعمال کئے جاتے ہیں جو بالعموم ہندی اور انگریزی سے مستعار الفاظ میں نظر آتے ہیں۔ ان میں ان پانچوں کے ہم صوت حروف کام نہیں آتے یہ سارے حروف اردو کے رنگ روپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر اردو سے یہ کیوں کہا جائے کہ وہ اپنا رنگ روپ چھوڑ دے اور "ث" "ص" "ح" "ذ" "ض" اور "ظ" سے گریزاں ہو۔ یہی تو اس کی انفرادیت ہے کہ یہ عربی و فارسی سے بھی مستفید ہے، اگرچہ اس کی بنیاد خالصتاً ہندوستانی زبان "کھڑی بولی" پر ہے۔ اس کا رسم خط عربی الاصل ہے فارسی سے ماخوذ ہے اور پھر بھی اس کا اپنا ہے اپنے رسم خط سے اس کے تعلق پر صدیوں کی مہر لگی ہوئی ہے اور اس کا سارا لسانی اور ادبی سرمایہ اس پر شاہد ہے، اگر وہ سارا سرمایہ کسی دوسرے رسم خط میں منتقل کر بھی دیا جائے تو اسے ترجمہ یا ترجمانی کہہ سکتے ہیں "اردو" نہیں کہہ سکتے۔ علیم اللہ حالی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ "اردو فارسی رسم خط میں ہی صحیح پڑھی جا سکتی ہے کیونکہ اس رسم خط کے ساتھ ہی وہ پیدا ہوئی تھی اور اسی سے وہ پہچانی جاتی ہے، رومن رسم خط اس کی جگہ لینے سے قاصر ہے اور دیوناگری قاصر تر۔ اردو اب اتنی کافی بالیدہ ہے کہ اس کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی تجویز بہت بڑی ادبی جسارت ہے۔"

زبان اور رسم خط میں روح اور قالب کا رشتہ ہے وہ جو اردو کا رسم خط بدلنا چاہتے ہیں۔ دراصل اس سے اس کا قالب چھین لینا چاہتے ہیں قالب چھن جانے پر روح کیسے باقی رہ سکتی ہے، جسم کو مٹی میں ملا کر روح کو باقی رکھنے کا کرشمہ ہم ارضی مخلوقات کے بس کی بات نہیں ہے اردو کا رسم خط بدلنے کی تجویز پیش کرنے والے اردو کشی کی رائے دے رہے ہیں۔ زبان اور رسم خط کے تعلق سے بے خبری ہی اس سلسلے میں غیر علمیانہ اور غیر سنجیدہ باتوں کی ذمہ دار ہے۔

ہماری زبان

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ خیال رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

(منیجر)

نجم البدی

اردو رسم خط کا مسئلہ

زبانیں کارخانوں میں نہیں بنا کرتیں اور نہ رسم خط آئینی اصلاح کے اجارہ داروں کا رہین منت ہوتا ہے۔ اس موضوع پر غور و فکر کے لئے علم السنہ سے آگاہی لازمی ہے یہ جاننا ضروری ہے کہ زبانیں کس طرح وجود میں آتی ہیں اور کس طرح انھیں معرض تحریر میں لایا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کام کے لئے کسی انجمن کا قیام عمل ہی نہیں آتا اور نہ کسی کو رائے زنی کی دعوت دی جاتی ہے۔ کسی زبان کے تحفظ اور بقا اور اس میں بہتر ادب کی تخلیق و ترویج کے لئے اداروں کی ضرورت تو صدیوں بعد ہوتی ہے۔ جب زبان ارتقار کی تمام منزلیں طے کرکے من حیث انسان واضح تکلم اور جیسی صورت اختیار کرلیتی ہے کسی زبان کی پیدائش کے ساتھ ہی جو رسم خط اس زبان کے بولنے والے استعمال کرنے لگے ہیں وہ زبان کے ارتقا کے ساتھ ساتھ قرنہا قرن کی دھوپ چھاؤں میں پختگی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ معمولی ترمیمیں اور اصلاحیں اس دوران میں از خود جگہ بنالیتی ہیں دفتروں اور ایوانوں میں گڑھی جانے والی مصنوعی زبان کی بات اور ہے۔

اردو رسم خط میں کچھ تبدیلیاں پیدا کرنے کی بات ادھر کچھ دنوں سے بار بار اٹھائی جارہی ہے اور مختلف گوشوں سے مختلف سطحوں پر اور مختلف جرائد کا سہارا لے کر کچھ لوگ اسے جزوًا یا کلیۃً بدلنے کی تجویزیں پیش کررہے ہیں۔ وہ لوگ جو اردو رسم خط ہی میں کچھ ترمیمیں چاہتے ہیں ان کے پاس اردو کو آسان اور مقبول عام بنانے کا عذر ہے یہ احساس کہ اردو اپنے موجودہ رسم خط کے ساتھ دشوار یا نامقبول ہے یہ خود غلط قسم کا ہے۔ دراصل یہ احساس کمتری ہے جو اردو کو نقصان پہنچانے والوں کی کوششوں سے پیدا ہوا ہے جو لوگ اردو کو اپنی زبان کہتے ہیں انھیں اس کی سادگی اور ہردلعزیزی سے ناواقف نہیں ہونا چاہئے حکومت کے وسائل ہرسطح پر ترویج کے لئے ایڑی چوٹی کا زور اور نشر و اشاعت کے سرکاری ذرائع کسی ایک زبان کے لئے وقف ہوں، یہ الگ بات ہے، لیکن اردو کبھی کسی حکومت کی منظور نظر بن کر نہیں رہی (بیجاپور اور گولکنڈہ کی چھوٹی موٹی دکنی سلطنتوں کو مستثنیٰ رکھئے) اس رسم خط نے اسے عام دسترس سے کبھی دور نہیں کیا اور اسی رسم خط کے ساتھ وہ مقبول ہوئی سیاسی اور سماجی عوامل کی اہمیت بلاشبہ ہے جو پہلے اردو کے حق میں تھے اور اب مخالف ہیں۔ مگر یہ معقول بات نہیں ہے کہ ہم ہر سیاسی تبدیلی کے ساتھ بدل جائیں اور ہر سماجی دھارے میں اپنا سارا ادبی سرمایا بہادیں اردو زبان اب نشو و نما کے اس دور میں نہیں ہے جب اسے کسی راہ پر لگانے کی اجتماعی کوشش کا منصوبہ بنایا جائے۔ ایسا منصوبہ غیر مفید ہی نہیں، اردو کے لئے مضر بلکہ مہلک ہے۔

اردو رسم خط پر یہ خصوصی توجہ کیوں ہے! اس صدی میں کسی دوسری زبان کا رسم خط بدلنے کی صدا کیوں نہیں سنائی دیتی، دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں کے تلفظ اور املا میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ مگر کسی زبان کا رسم خط نام نہاد طور پر "سائنٹفک" بنانے کی تحریک کہیں نہیں اٹھی۔ امریکی انگریزی بھی اپنی بعض انفرادی خصوصیات اور ہجے میں تخفیف کے باوجود حرف بحرف تلفظ کے مطابق نہیں لکھی جاتی، کیونکہ بہر طور وہ رومن ہی رسم خط میں ہے اور الفاظ انگریزی ہی کے ہیں۔

زبان اور رسم خط میں علاقائی عصبیت کو بھی راہ نہیں دینا چاہئے، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں نے رومن رسم خط کو اجنبی نہیں سمجھا۔ فارسی رسم خط اردو والوں کے لئے کیوں غریب الدیار ٹھہرے! پھر اردو کا رسم خط من وعن فارسی کا نہیں ہے، اس کی اپنی چند جداگانہ آوازیں ہیں اور ان کے لئے فارسی حروف میں ترمیم کرکے اس نے اپنے حروف تراشے ہیں ان سب باتوں سے پہلوتہی کرنا اردو کو نقصان پہنچانا ہے۔

رسم خط کے اعتبار سے اردو دنیا کی تمام زبانوں میں ممتاز ہے دنیا میں بولی جانے والی تقریبًا ہر بڑی اور معروف زبان کا تلفظ اس کے رسم خط میں ممکن ہے، کیونکہ مختلف زبانوں کی مختلف آوازوں کو جو اس میں ضم ہوچکی ہیں، اس کے حروف تہجی نے اپنے دامن میں جگہ دے رکھی ہے۔ اس نے ہر گلشن سے خوشہ چینی کی ہے۔ ہر چشمے سے سیراب ہوئی ہے یہ اردو کا رسم خط ہی ہے جس کی بدولت اردو بولنے والے انگریزی میں z، th اور sh کی آوازیں پیدا کرنے پر قادر ہیں یہ رسم خط ان کا اثاثہ، ان کا ماحول ان کی تربیت گاہ سب کچھ ہے۔

جو اعتراضات اردو رسم خط پر کئے جاتے رہے ہیں، ان میں دو ہی ہیں جنھیں شد و مد کے ساتھ دہرایا جاتا ہے۔ ایک اعتراض تو یہ ہے کہ اردو کے حروف ملا کر لکھے جاتے ہیں اور ان کی شکلیں لفظوں کے شروع، وسط اور آخر میں بدلتی رہتی ہیں (گو ان کا مرکزی کردار ایک ہی رہتا ہے) یہ خصوصیت اردو لکھنا سیکھنے میں دشواری پیدا کرتی ہے اور اردو کے ٹائپ بنانے میں مانع ہے۔ اعتراض کا آخرالذکر حصہ غیر ممالک کی اردو، فارسی مطبوعات اور اردو کے دستیاب ٹائپ رائٹروں کے پیش نظر خود بخود ختم ہوجاتا ہے۔ اب رہا اس کا اول الذکر حصہ تو یہ محض اعتراض برائے اعتراض ہے ہر اچھی زبان اسی طرح سیکھی جاتی ہے، یہ تو سیکھنے والے کی ذہنی استعداد اور ماحول پر منحصر ہے کہ وہ کتنے دنوں میں سیکھتا ہے۔ رومن رسم خط میں چھاپے کی حروف الگ، تحریر کے الگ، بڑے الگ اور چھوٹے الگ ہوتے ہیں۔ اس طرح چھبیس حرفوں کی چار چار شکلیں ہوجاتی ہیں اور سب کا یاد رکھنا ضروری ہے۔ خود دیوناگری ہی جس کی اس قدر مقبولیت خوانی کی جاتی ہے، حروف علت کی بجائے علامات سے ہم بستہ ہے اور

چونکہ اس کے حروف بجائے خود متحرک ہوتے اور مکمل آواز رکھتے ہیں اس لئے آوازوں کو نیا موڑ دینے کے لئے اس قدر کثیر علامات ہیں کہ ہر حرف نئی علامت کے ساتھ نیا حرف بن جاتا ہے اور ایک ہندی کو ایک ایک حرف کی کئی تنوعات (VARIATIONS) کے ساتھ یاد رکھنا پڑتا ہے جس کی دو مثالیں ناظرین کے لئے درج کی جاتی ہیں۔

1۔ अ आ इ ई उ ऊ ऋ ए
ओ औ अं अः

2۔ क का कि की
कु कू के कै को
कौ कं - कः

پہلی قسم صرف الف کی آواز پر مشتمل بارہ شکلیں ہیں اور ان میں سے کچھ مماثل اور کچھ بالکل مختلف ہیں، جداگانہ اور آزاد حروف دوسری قسم میں پہلی قسم کی بہت سی علامتیں (یا اعراب) موجود ہیں اور کچھ علامتیں نئی ہیں۔ دوسری قسم کی یہ (ساری) علامات بقیہ حروف تہجی کے ساتھ منسلک ہوتی ہیں، انہیں دیکھتے دیکھتے پہچاننے لگنا مشق و مزاولت کی بات ہے، لیکن یہ تو بارہ بارہ شکلیں، دوسری قسم میں क (یا اسی طرح کے دوسرے حروف صحیح) کو قدر مشترک کہا جاسکتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح اردو میں ملا کر لکھا جانے والا ایک حرف (مثلاً ص) ملا کر لکھنے میں تین مختلف شکلوں (صد، بصر، بصد) میں ہونے کے باوجود اپنی صورت اصلی کے اعتبار سے ہر جگہ یکساں ہوتا ہے اور اس کا مرکزی "کردار" اپنی جگہ ہے مثلاً "ص" کا ظرف "ص" بنیادی عنصر ہر شکل میں قدر مشترک ہے۔ پھر بھی اردو میں ایک حرف کے تنوعات زیادہ سے زیادہ تین ہیں (سالم حرف کو شامل کر کے چار کہہ لیجئے) یہ بارہ سے بہر حال کم ہیں، اتنے سارے حروف کے باوجود دیوناگری رسم خط میں بہت سی آوازوں کی گنجائش نکل نہیں رہی ہے۔

اب رہی بات علامات کی تو اس لحاظ سے اردو ان کی محتاج نہیں ہے کہ اگر اس میں اعراب کم ہیں تو حروف علت ملا کر اس کا کام چل جاتا ہے۔ اس کی یہی خوبی اس کا عیب بنا کر پیش کی جاتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اردو کی ہر خوبی بالعموم نہیں کی بنا کر عیب نظر آتی ہے، مثلاً حروف ملا کر لکھنے میں بعض حروف کے صرف بنیادی ٹکڑے استعمال ہوتے ہیں جن کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ اسے نقص قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس کی بدولت اردو کی تحریریں کاغذ کا زائد صرفہ نہیں ہوتا، اگرچہ نہ تو حروف کی کمی ہوتی ہے نہ الفاظ کی۔ دنیا کی کوئی زبان جو اردو، فارسی، عربی زبانوں کے خاندان سے الگ رسم خط میں لکھی جاتی ہو کم سے کم جگہ میں زیادہ سے زیادہ الفاظ سمو دینے کی یہ مثال نہیں پیش کر سکتی۔ یہ اس رسم خط کا اعجاز ہے۔ اسی طرح علامات یا اعراب کی جو اس کی خوبی ہے، خامی بنا کر دکھائی جاتی ہے کہ اس سے پڑھنے اور لکھنے میں مطابقت نہیں رہ سکتی۔ اعراب دیے بغیر ہندی تلفظ میں دھوکا کھا سکتے ہیں۔ سچ یہ ہے زبان اہل زبان کی صحبت میں آتی ہے۔ کسب و ریاضت شرط ہے۔ ہر ترقی یافتہ زبان کا یہی حال ہے اگر آپ نے انگریزی نہیں سنی ہے تو صرف حروف پہچان کر صحیح تلفظ نہیں کر سکتے۔ اہل زبان یا انگریزی داں سے استفادہ کئے بغیر انگریزی کی ایک سطر پڑھنا بھی کسی ہندی کے لئے ممکن نہیں۔ اردو میں بھی زیر، زبر، پیش، تشدید اور جزم کی عدم موجودگی تلفظ جاننے والے کے لئے لکھنے اور پڑھنے میں رکاوٹ نہیں بنتی یہ بھی اردو کا عیب نہیں وصف ہے کہ وہ رسم خط کے معاملے میں ترقی یافتہ زبانوں کی ہمسر ہے۔

اردو رسم خط پر وارد ہونے والا دوسرا بڑا اعتراض جو معترضین کی نگاہ میں لاجواب کر دینے والا ہے اس کے چند ہم صوت حروف پر ہے جو بنیادی طور پر ہم صوت نہیں، قریب المخرج ہیں، مگر ہندوستان جنت نشان کی نرم و لطیف فضا نے ان آوازوں کی کرختگی سے پیدا ہونے والے امتیازات ختم کر دئے (کچھ تو عرب سے ایران پہنچ کر ہی ختم ہو گئے تھے)، اب "ا" اور "ع" "ت" اور "ط" "ث"،

(باقی [illegible])

زبیر شفائی

غزل

وہ زیرِ ہوا لہر سرِ آب تو آئے
میں جاگ رہا ہوں کہ کوئی خواب تو آئے

میں برہنہ تن آگ کے شعلوں میں کھڑا ہوں
یہ نقش اڑانے کوئی سیلاب تو آئے

اب دیکھئے کس روپ میں ترتیب پا جاؤں
سب لوگ مجھے خاک تلے داب تو آئے

وہ پاؤں مرے جسم پہ رکھ کے گزر گئے
اس سمت کوئی لمحۂ شاداب تو آئے

ہم لوگ زبیرؔ آپ کے احسان چکا دیں
لیکن یہ سفینہ تہِ گرداب تو آئے

مراسلات

ماریشس میں اردو

میں آپ کے اخبار کے ذریعہ ماریشس کے اردو زبان کے مسئلہ کی طرف ذمہ دار حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہوں گے کہ دلی سے تقریباً چار ہزار میل کے فاصلے پر بحر ہند میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، جس کا کل رقبہ ۷۲۰ مربع میل ہے اور جس کی آبادی تقریباً آٹھ لاکھ ہے اور یہاں ہندو مسلمان عیسائی بستے ہیں۔ ان میں ہندوں اور مسلمانوں کی آبادی ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کے آباء و اجداد اب سے تقریباً سو برس پہلے مشرقی اتر پردیش اور بہار کے علاقے سے آئے تھے اور یہاں مستقل طور پر بس گئے تھے۔ ان کے علاوہ جنوبی ہند سے تامل، تلگو اور مرہٹی بولنے والوں کی بھی آبادی کے تناسب سے اچھی خاصی تعداد ہے۔ یہ لوگ انڈو ماریشین کہلاتے ہیں۔

ماریشس میں تعلیم کا بہت معقول انتظام ہے اور پرائمری تعلیم کلیتاً سرکار کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں پر عام طور پر فرانسیسی اور انگریزی زبان کا رواج ہے۔ اس کے علاوہ ایک مقامی بولی ہے جسے کرولی کہتے ہیں۔ یہ فرانسیسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ انڈو ماریشین لوگ (ہندو اور مسلمان) بھوجپوری بھی بولتے ہیں۔ یہاں کے پرائمری اسکولوں میں ان کے بچوں کے لئے ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ ہندو بچوں کو ہندی، مسلمان بچوں کو اردو، تامل بچوں کو تامل، تلگو بچوں کو تلگو اور مرہٹی بچوں کو مرہٹی کی تعلیم "لازمی" ہے۔

میں اس وقت اردو زبان کے بارے میں چند معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اس وقت جزیرے کے تقریباً ۱۰۲ اسکولوں میں اردو تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ جن میں ۱۸۳ اردو اساتذہ کام کرتے ہیں اور جن میں تقریباً ۲۲۰۰۰ طالب علم اردو پڑھتے ہیں۔ اردو کے استادوں کے لئے ٹرینگ کالج میں ٹرینگ کا معقول انتظام ہے جس میں جناب قاسم ہیرا صاحب بی اے، بی ایڈ علیگ ایجوکیشن آفیسر کے طور پر ان استادوں کو ٹرینگ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۶۶ء سے حکومت ہند نے ماریشس کی وزارت تعلیمات کو ماہر کے طور پر ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کے لئے چار اساتذہ کولمبو پلان کے تحت بھیجے ہیں۔ راقم الحروف اردو زبان کے لئے اگست ۶۸ء سے کام کر رہا ہے۔ اس سے پہلے یونیورسٹی اسکول کے پرنسپل جناب عظیم الحق جنیدی ایک سال تک یہاں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ صحت کی خرابی کے باعث واپس چلے گئے۔

ٹرینگ کالج میں اساتذہ کی ٹرینگ کے لئے امیدواروں کا انتخاب گورنمنٹ خود کرتی ہے جس میں ان کے سرٹیفکٹ اور ٹسٹ کے ذریعہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کن امیدواروں کو ٹرینگ دی جائے جن امیدواروں کا انتخاب ہو جاتا ہے انھیں تقریباً دو سو روپیہ یعنی ہندوستانی سکے کے مطابق ۲۶۵ روپیہ ماہانہ دیا جاتا ہے اور ایک سال کی ٹرینگ کے بعد انھیں اسکولوں میں استاد کے طور پر بھیج دیا جاتا ہے۔ اس طرح گویا یہ باقاعدہ سرکاری ملازم ہو جاتے ہیں اور ان کی تنخواہ ۱۵۰-۵۰۰ روپیہ (یعنی ہندوستانی سکوں میں ۵۰۰ روپیہ تک) جاتی ہے۔

یہاں ابھی ثانوی اسکولوں میں ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے مگر امید ہے کہ جلد ہی اس کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔

یہاں چند دوکانیں ہیں جہاں اردو کی کچھ کتابیں مل جاتی ہیں۔

جامعہ اردو کے امتحانات نے طلبہ کے اندر بڑی حوصلہ افزائی کی ہے اور جامعہ اردو کے تمام امتحانات ہوتے ہیں ان امتحانات کی ذمہ داری آنریبل عبد الوہاب فوذن صاحب کے سپرد ہے۔ ٹرینگ کالج کے داخلوں میں ان امتحانات سے بڑی مدد ملتی ہے۔ گویا ملازمت ملنے میں جامعہ اردو کے سرٹیفکٹ بڑی مدد کرتے ہیں۔

ان امتحانات کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۶۹ء میں تقریباً ۷۰۰ امیدواروں نے ابتدائی "ادیب" ادیب ماہر اور ادیب کامل کے امتحانات میں شرکت کی اور امید ہے کہ امسال اس سے بھی زیادہ امیدوار امتحانات میں شریک ہوں گے۔

یہاں تقریباً سال بھر ان امتحانات کی تیاری کے سلسلے میں جزیرے کے مختلف علاقوں میں پڑھائی کے لئے کلاسیں ہوتی ہیں۔ راقم الحروف بھی ان کلاسوں کو پڑھاتا ہے۔

راقم الحروف کا قیام تقریباً دو سال سے ہے اور اس عرصہ میں راقم کا تجربہ ہے کہ ان امتحانات کو اور موثر کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ آپ کے اخبار کے ذریعہ جامعہ اردو کے امتحانات کے سلسلے میں چند معروضات پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۱) مذکورہ بالا دوستی میں اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ اردو زبان فی الحال عام طور پر نہیں بولی جاتی۔ لوگوں کو اس سے جذباتی لگاؤ ہے اس لئے وہ نصاب جو ہندوستان کے طالب علموں کے لئے ہے، یہاں کے طالب علموں کے لئے مناسب نہیں ہے۔

(۲) یہ حقیقت ہے کہ چونکہ یہاں فی الحال اردو کی ثانوی تعلیم کا سرکاری طور پر کوئی انتظام نہیں ہے اس لئے ان امتحانات کی سندیں یہاں ملازمت کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے پیش نظر ان امتحانوں کے وقار کو بڑھانا چاہیے۔

(۳) یہاں انگریزی اور فرانسیسی زبانیں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہیں ان کا معیار بلند ہے۔ اس لئے جامعہ اردو کے امتحانات میں انگریزی کے پرچوں کا معیار بلند کرنا چاہیے اور فرانسیسی زبان کا بھی ایک اختیاری پرچہ بڑھا دینا چاہیے۔

(۴) یہاں کے نصاب کی کتابوں کا معیار طباعت اور گٹ اپ کے

اعتبار سے بہتر ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہاں فرانس اور انگلستان کی کتابیں عام طور پر فروخت ہوتی ہیں اور ان کے مقابلے میں جامعہ اردو کی نصابی کتابیں دیکھ کر ایک ہندستانی کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

(۵) نصابی کتابوں کو بڑی محنت اور کاوش سے چھاپنا چاہئے تاکہ غلطی کا احتمال نہ رہے یہ واضح ہے کہ طالب علم لغتوں کی مدد سے کتابیں پڑھتے ہیں اور ایک غلطی کی وجہ سے ان کا بہت سا وقت ضائع ہوتا ہے۔ (میرے پاس برابر ایسے طالب علم دور دور کے علاقوں سے آتے ہیں جن کو غلط چھپے ہوئے لفظوں کے معنی نہیں ملتے اور جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ چھپائی کی غلطی ہے تو وہ مایوس بھی ہوتے ہیں اور اردو کی کتابوں اور ہندستانیوں کے بارے میں خراب رائے قائم کرتے ہیں)

(۶) اردو کے قدیم کلاسیکس کو نصاب میں داخل کرتے وقت یہاں کی عملی دشواری کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ مثلاً دکنی زبان وادب کو سمجھنے میں جو دشواری شمالی ہند میں پیش آتی ہے اس سے بھی اس جزیرے کے لوگوں کی مجبوری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ان مجبوریوں کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ انجمن ترقی اردو کے تعاون سے جامعہ اردو کو یہاں کے مخصوص حالات کے پیش نظر ایک معیاری نصاب مرتب کرنا چاہئے۔ ممکن ہے کہ اس میں جامعہ اردو کو مالی طور پر کچھ نقصان برداشت کرنا پڑے لیکن زبان اردو کی ترقی اور اشاعت کے لئے ضروری ہے۔

اگر ان امور پر خاطرخواہ توجہ نہ دی گئی تو نہ صرف یہ کہ جامعہ اردو کے امتحانات کی اہمیت ختم ہو جائے گی بلکہ اردو زبان کو بھی نقصان پہنچے گا۔

یہ واضح ہو کہ اب عام طور پر لوگ ان باتوں کو اخبارات میں لکھتے رہتے ہیں اس کے تراشے میں جامعہ اردو کو براہ راست بھیج چکا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ایک غلط فہمی جو نہ جانے کس طرح پھیل کہ ان امتحانات کا تعلق مسلم یونی ورسٹی سے ہے۔ اس سے یونیورسٹی بھی بدنام ہوتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر جزیرے کے امتحانات کے سلسلے میں کوئی موثر قدم اٹھایا جائے تو آنریبل عبدالوہاب فندن، جناب عظیم الحق جنیدی، جناب قاسم میرا ایجوکیشن آفیسر، جناب عنایت حسین حیدان ایم اے (علیگ) اور جزیرے کے متعدد اردو اساتذہ جو سال بھر امیدواروں کو پڑھاتے رہتے ہیں، خاطرخواہ مدد کر سکتے ہیں نئے نصاب کی تشکیل کے وقت جزیرے کے انگریزی و فرانسیسی کے معیار کے پیش نظر ان زبانوں کے تراجم کو بھی پیش نظر رکھا جاسکتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ مالی نقطہ نظر سے شاید جامعہ اردو کو ان تبدیلیوں میں جھجک محسوس ہو، ایسی صورت میں انجمن ترقی اردو کو بھی مدد دینا چاہئے۔

حکومت ہند اندرا گاندھی کے آنے کے بعد سے ماریشس کے معاملات میں غیر معمولی دلچسپی لے رہی ہے چنانچہ ابھی حال ہی میں وزارت خارجہ نے ایک اعلیٰ ہندی افسر جناب بی۔ پی۔ سنہا کو یہاں بھیجا تاکہ وہ ہندی زبان کی ترقی و اشاعت کے سلسلے میں حکومت ہند کو مشورہ دے سکیں۔

میں دوبارہ اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ اردو زبان کے لئے فضا خاص ساز گار ہے۔ اگر محبان اردو دلچسپی لیں گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اردو زبان کا مستقبل اس جزیرے میں روشن نہ ہو۔

میں امید کرتا ہوں کہ اراکین انجمن ترقی اردو اور جامعہ اردو میری معروضات پر میرے خلوص کی روشنی میں غور کریں گے۔

ماریشس ۱۰ اطہر پرویز

اخبار و افکار

اردو کے ذریعہ تعلیم دینے کی سہولتیں فراہم کی جائیں

نئی دہلی:۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے خاص جلسے میں ورکنگ کمیٹی کے بعض ممبروں نے کہا کہ اردو کے درجہ کے متعین نہ ہونے کی پرانی شکایت بدستور قائم ہے اور اس کی وجہ سے اردو دوست اکثر مخالف جماعتوں سے بھی گٹھ جوڑ کرتے ہیں۔ اس صورت حال کے رفع کرنے کے لئے انھوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مختلف سیاسی وجوہ کی بنا پر اردو کو دوسری زبان کا درجہ تو نہیں دیا جا سکتا البتہ آئین میں لسانی اقلیتوں کے لئے جو تحفظات تجویز کئے گئے ہیں ان پر پوری طرح عمل ہونا چاہئے۔ جہاں جہاں مسلمان قابل لحاظ تعداد میں ہوں وہاں ان کے بچوں کو اردو کے ذریعہ تعلیم دینے کی پوری سہولتیں فراہم کی جائیں۔ • قومی آواز

لسانی کمشنر اور اردو

لسانی اقلیتوں کے کمشنر نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ ریاستی حکومتیں اقلیتی زبانوں کا نصاب مہیا نہیں کرتیں، انھوں نے اردو کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ گو راجستھان میں نصابی کتابوں کو مہیا لیا گیا ہے لیکن وہاں اردو نصاب کے ملنے کی دشواری پیش آرہی ہے، اس قسم کی شکایت آندھرا پردیش مدھیہ پردیش اور اترپردیش کے بارے میں بھی ہے کہ وہاں اردو نصاب کے ملنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ کمشنر صاحب نے اردو کا نصاب نہ ملنے کی جو شکایت کی ہے کیا ریاستی حکومتوں پر اس کا اثر ہوگا؟ لسانی اقلیتوں کے کمشنر پہلے بھی اردو کے ساتھ ناروا برتاؤ کا تذکرہ کر چکے ہیں مگر کون سنتا ہے فغان درویش۔ • الجمعیۃ

کل ہند سطح پر انگریزی کی جگہ اردو یا ہندی لے سکتی ہے

ناندیڑ:۔ مہاراشٹر کے ڈپٹی چیف منسٹر جناب شنکر راؤ چوہان نے کہا ہے کہ انگریزی کی عملداری کے خاتمہ پر اگر کوئی دفتریت و تعلیم میں اس کی جگہ لے سکتی ہے تو وہ اردو یا ہندی ہے۔ ڈپٹی چیف منسٹر مہاراشٹر نے کہا کہ علاقائی زبانوں کی ترقی ضروری ہے۔ مگر کل ہند سطح پر انگریزی کی جگہ کوئی علاقائی زبان نہیں لے سکتی۔ یہ افتخار تو اردو یا ہندی ہی کو حاصل ہے۔

جناب چوان مرہٹواڑہ اردو کنونشن کے جلسہ عام سے بحیثیت مہمان خصوصی خطاب کر رہے تھے۔ جناب قاضی سلیم ایم۔ ایل۔ سی نے صدارت کی۔ خیر مقدمی خطاب مسٹر منظر علی خاں اور قادری پاشا ایم ایل۔ اے نے کیا۔ اس موقع پر صدر ضلع پریشد پربھنی و ناندیڑ مسٹر بابو راؤ اور پیا شری شیام راؤ کدم اور مہاراشٹر کے ممتاز کمیونسٹ رہنما جناب وی ڈی دیشپانڈے اور حیدرآباد کے مہمان جناب جہاندار افسر بھی موجود تھے۔ جناب چوہان نے جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے تعلق سے حکومت مہاراشٹر فراخدلانہ برتاؤ کرتی رہی ہے اور آئندہ بھی اردو کے ہر جائز حق کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ وہ ہر وقت اردو کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار رہتے ہیں اور آئندہ بھی اس کی ترقی سے دلچسپی لیتے رہیں گے۔

جلسۂ عام سے قبل مولوی رونق علی کی صدارت میں مرہٹواڑہ کے (۵) اضلاع کے زائد از (۱۰۰) مندوبین اور اردو کارکنوں کا اجلاس ہوا جس کا افتتاح صدر نشین بلدیہ ناندیڑ جناب کابرا نے کیا مباحث میں مسرز قاضی سلیم، میر ہاشم، بشیر نواز، قادری بہاؤ الدین، اور اردو تحریک کے بزرگ رہنما جناب منظر علی نے حصہ لیا۔ مباحث کے بعد ۹ قراردادیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں جن کے ذریعہ حکومت مہاراشٹر کی تعلیمی پالیسی کے ۲ سالہ دستاویز کا خیر مقدم کیا گیا اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مہاراشٹر میں جہاں جہاں اردو آبادی ہے، وہاں مادری زبان کی حیثیت اردو تعلیم کا بندوبست کیا جائے اور مجوزہ تعلیمی پالیسی کے فقرہ ۵ اور ۸ کو ٹھیک ڈھنگ سے روبہ عمل لایا جائے اور تیسری جماعت ہی سے اردو طلبہ کو لازمی طور پر مرہٹی پڑھائی جائے اور جماعت پنجم سے انگریزی کی حیثیت بھی لازمی رہے اور ہشتم تا دہم ہندی کی بھی جز۔ وی تعلیم دی جائے۔

اجلاس مندوبین میں کنونشن کے ساوینر کی رسم اجراء بھی عمل میں آئی، جو اردو اور مرہٹی میں شائع کیا گیا تھا۔ اردو اخبارات اور کتابوں کی بھی کلا منڈپ میں نمائش رکھی گئی تھی۔ رات میں ۹ بجے فخر مہاراشٹرا راؤ بہادر سیٹھ چند رو کھی جالنوی کی صدارت میں ایک مشاعرہ ہوا۔ جس میں ہزار ہا عوام کے اژدہام کے باعث مشاعرہ گاہ اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کر رہا تھا۔ جناب فہیم نے مشاعرہ کی معتمدی کی۔ مسرز قاضی سلیم بشیر نواز (اورنگ آباد) مظفر شاہ جہاں پوری۔ انجم رومانی (بمبئی) جہاں دار افسر، اسماعیل ظریف، اسحاق ملک (حیدرآباد) میر ہاشم (پربھنی) ساجد (ناندیڑ) شعلہ (جالنوی) ادیب (مالیگانوی) قمر اقبال یونس فہمی، نذیر اختر (ناندیڑ) وغیرہ نے اپنا کلام سنایا۔ فرقہ واریت کے خلاف اور قومی یکجہتی کے موضوع پر مسرز جہاں دار افسر، میر ہاشم، قاضی سلیم اور بشیر نواز کی نظمیں بے حد پسند کی گئیں۔ بشیر نواز، جہاں دار افسر، اسماعیل ظریف اور مظفر شاہجہاں پوری کا کلام بار بار سنا گیا۔

• رہنمائے دکن

صدر انجمن ترقی پسند مصنفین کے خیر مقدمی جلسہ میں

سجاد ظہیر کی تقریر

حیدرآباد:۔ کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین کے معتمد عمومی جناب

سجاد ظہیر نے کل شام ڈیوڑھی باز فواز جنگ میں ایک خیر مقدمی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے نئے لکھنے والوں کو مشورہ دیا کہ وہ ایسے ادب کی تخلیق کریں جو زندگی سے قریب تر ہو۔

جناب ظہیر ادارہ رفتار سیاست کے زیر اہتمام ریاستی انجمن ترقی پسند مصنفین کے صدر جناب میر حسن کے خیر مقدمی جلسہ سے خطاب کر رہے تھے پرانے شہر میں جناب میر حسن کا یہ دوسرا خیر مقدمی جلسہ تھا۔ جناب سجاد ظہیر نے ادیبوں شاعروں اور دانشوروں کو مشورہ دیا کہ وہ نفرت و حقارت کے ماحول میں محبت و عظمت کے چراغ روشن رکھیں۔ ابتدا میں جناب انور ادیب نے خیر مقدمی تقریر کی۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے ترقی پسند ادبی تحریک کے ماضی و حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا اب جبکہ ملک میں فاسسٹی عناصر سر اٹھا رہے ہیں، ترقی پسند ادیب و شاعر کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں مولانا حافظ ابو یوسف ایم۔ ایل۔ سی نے ادب کی ترقی پسند تحریک کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

• نامہ نگار

جامعہ عثمانیہ کی خدمات کی ستائش

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کی تقریر

حیدرآباد ۱۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں صدر شعبۂ لسانیات علی گڑھ یونیورسٹی نے کہا ہے کہ اگر جامعہ عثمانیہ میں اردو کو ہی ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے برقرار رکھا جاتا تو قومی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے معاملہ میں جامعہ عثمانیہ ہی مشعل راہ ثابت ہوتی۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں جو شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ کی صدارت پر فائز رہ چکے ہیں۔ سہ پہر بزم اردو جامعہ عثمانیہ کے اختتامی جلسہ میں صدارتی تقریر کر رہے تھے جو آرٹس کالج کے کمرہ نمبر ۵۰ میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ انھوں نے جامعہ عثمانیہ میں زندگی کے بہترین چھ سال گزارے ہیں۔ زندگی بھرپور علمی اعتبار سے بھی اور رفاقت کے اعتبار سے بھی حیدرآباد کو "شہر شریف" کا نام دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ وہ شہر حیدرآباد کی خوشگوار یادوں کو فراموش نہیں کر سکتے۔ جامعہ عثمانیہ بعض باتوں کے لحاظ سے جامعہ علی گڑھ سے بازی لے گئی ہے علی گڑھ کی اساس میں اردو تھی اس لئے وہ اردو سے بے نیاز رہا۔ اردو نے علی گڑھ کو ہمیشہ سرفراز کیا لیکن علی گڑھ نے اردو کو نہیں نوازا جامعہ عثمانیہ میں اردو ذریعۂ تعلیم کے تجربہ کو ایک عظیم تجربہ قرار دیتے ہوئے انھوں نے کہا یہ بدقسمتی ہے کہ اس جامعہ کے ذریعۂ تعلیم کو بدل دیا گیا اور اردو ذریعۂ تعلیم کو اس درس گاہ میں تبدیل کر دیا گیا حالانکہ قومی تعلیم کا اصول یہ ہے کہ مادری زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔ جامعہ عثمانیہ میں ذریعۂ تعلیم کی اس تبدیلی کی وجہ سے قومی تعلیمی نصب العین پچاس سال پیچھے لے جایا گیا ڈاکٹر صاحب نے کہا افسوس ہوتا ہے کہ بعض ارباب حل و عقد شعبہ کی اہمیت اور اس کے کام کو نہیں سمجھتے شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ دوسرے شعبوں کے تعاون سے وہ کام کر سکتا ہے جو تلگو، ہندی اور دوسری زبانوں کا بہترین سرمایہ ہو سکتا ہے ہندی کے شعبہ نے بھی دکنی ادب کی خدمت کی ہے جس سے ہندی ادب میں نیا باب کھل گیا ہے یہ جامعہ اب بھی سنگم بن سکتی ہے مختلف شعبوں کا سنگم دکنی کے ذریعہ عمل میں آسکتا ہے شعبۂ اردو پھر ایک بار قیادت کرے تاکہ اپنے کھوئے ہوئے دکنی سرمایہ کو عوام کے سامنے لا سکے۔ صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے تعارفی تقریر میں کہا کہ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے شعبۂ اردو کو ترقی کی نئی راہوں سے آشنا کرایا۔ پروفیسر عبدالقادر سابق پرنسپل آرٹس کالج نے بحیثیت مہمان خصوصی اپنی تقریر میں جامعہ عثمانیہ سے متعلق پرانی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہا کہ اردو ذریعۂ تعلیم کے تجربہ کو ناکام کہنے والے سخت غلطی پر ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں اردو کی جگہ انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا فیصلہ کیا گیا اس کی بجائے اگر اردو کے ساتھ دیگر ہندوستانی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا فیصلہ کیا جاتا تو یہ زبانیں علم کی دولت سے مالا مال ہو جاتیں۔

پروفیسر عبدالقادر نے امید ظاہر کی کہ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے جن جن اصلاحات کی داغ بیل ڈالی ان کو ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ پروان چڑھائیں گی اور انھیں اپنے ساتھی اساتذہ کا بھرپور تعاون حاصل رہے گا۔ معتمد بزم سید عبدالکریم زاہد کے شکریہ پر یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

• نامہ نگار

پداپلی انجمن ترقی اردو کا قیام

پداپلی ۱۔ پداپلی میں ایک عرصے سے انجمن ترقی اردو کا قیام زیر غور تھا چنانچہ ۵ رجولائی کو ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں جناب سید منظور احمد صدر، انیس الرحمن ہاشمی معتمد اور علی خازن منتخب ہوئے

چنے گئے نیز گیارہ ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی اور (۲۰) ارکان عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ تاریخ تشکیل سے کمیٹی اپنے کام میں سرگرم عمل ہے ۱۹ر جولائی کو انجمن ترقی اردو کا ایک اجلاس بھی ہوا۔ ● نامہ نگار

بھوپال یونیورسٹی میں اردو میڈیم کی مانگ

بھوپال: کیپٹن بندرا صاحب نے سیفیہ ڈگری کالج میں اردو ایجوکیشن سوسائٹی کے عام جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو ایک تہذیب کی عکاس اور آئینہ دار ہے اس میں بے مثل لطافت شیرینی اور مٹھاس ہے اور جو یک جہتی کی نشانی ہے۔ سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس زبان کو اس کی روایات کے ساتھ ترقی دیں۔

آپ نے اس پر زور دیا کہ اردو کو فرقہ پرستی اور تنگ نظری سے بچایا جائے۔ یہ زبان کسی ایک فرقہ یا کسی ایک مذہب کے ماننے والوں کی نہیں۔ اس کے بنانے اور ترقی دینے میں سب ہی کا حصہ ہے۔

آپ نے کہا کہ سرکاری اسکولوں میں اردو ذریعہ تعلیم کی مانگ کا یہ مقصد نہیں کہ کسی زبان کو نقصان پہنچایا جائے یا اس سے طلبہ کا نقصان ہو۔

اردو ایجوکیشن سوسائٹی کے کنوینر جناب مظہر کلیم نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ڈیڑھ سال کی مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں سرکاری پرائمری اسکولوں میں اردو میڈیم کو تسلیم کر لیا گیا۔ آپ نے کہا کہ عام طور پر یہ شبہہ کیا جاتا ہے کہ اردو میڈیم کی تعلیم سے طلبہ کا مستقبل تابناک نہیں ہوگا۔؟

آپ نے اس کی تردید کی کہ اردو میڈیم پڑھنے والے طلبہ کو تیسرے درجہ سے ہندی بھی پڑھائی جائے گی اور ان کو آگے کی تعلیم میں کوئی دشواری نہ ہوگی پبلک سروس کمیشن جو اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کے دینے کا ادارہ ہے اس نے بھی اردو زبان کو تسلیم کر لیا ہے۔ مرکزی حکومت ابتدا سے۔ ہیلتی کی سطح تک اردو میڈیم کی کتابوں کو تیار کروا رہی ہے۔

آپ نے بتایا کہ پہلے کلاس میں اس سال سے طلبہ کا داخلہ سرکاری پرائمری اسکولوں میں اردو میڈیم کے ساتھ کرایا جا سکتا ہے۔

کمیٹی کو بہت پہلے لسانی کمشنر یہ ہدایت دے چکا تھا کہ راجدھانی کے اسکولوں میں اردو میڈیم سے تعلیم دی جائے لیکن اس پر عمل نہیں کیا گیا آپ نے کہا کہ اگر اردو سے محبت کرنے والے خلوص سے کام کریں اور نفع نقصان کا خیال نہ کریں تو وہ ان سب سہولتوں کو حاصل کر سکتے ہیں جن کی ہدایات لسانی کمشنر کر چکا ہے۔

جناب قمر جمالی نے کہا کہ اردو میڈیم کے سلسلے میں جو احکام جاری کئے گئے ہیں ان کے مطابق صرف پہلے کلاس میں طلبہ کو داخلہ مل سکتا ہے لیکن جو طلبہ پرائمری درجوں میں پڑھ رہے ہیں وہ بھی اردو میڈیم سے استفادہ کر سکتے ہیں یا نہیں اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں ہے آپ نے کہا کہ فی الحال اس پر پوری کوشش کی جائے کہ راجدھانی کے سب ہی پرائمری اسکولوں میں اردو میڈیم کے ساتھ طلبہ داخلہ لیں حافظ وحید اللہ خاں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اردو میڈیم کی سہولتیں بہت پہلے ملنا چاہئے تھیں۔

آپ نے اردو سے محبت کرنے والوں سے اپیل کی کہ وہ سرگرم عمل ہوں اور اردو میڈیم کے ساتھ طلبہ کا داخلہ کرائیں۔

جناب شفیق الرحمن نے اردو ایجوکیشن سوسائٹی کی کوششوں کو سراہا اور اپیل کی کہ اردو میڈیم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ طلبہ کا داخلہ کرایا جائے۔

راجدھانی میں یونیورسٹی کے قیام پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے مانگ کی کہ اس میں اردو میڈیم کو بھی تسلیم کیا جائے۔ جلسہ میں ایک ایڈھاک کمیٹی بنائی گئی جس کا بنیادی کام یہ ہوگا کہ وہ بغیر کسی امتیاز مذہب و فرقہ ان سب افراد کا تعاون حاصل کرے جو اردو زبان سے واقف ہوں اور اس کی ترویج کے لئے کسی بھی شکل میں کام کر سکیں۔

● افکار

اردو پیپریاڈیکلس ایسوسی ایشن کا اجلاس

حیدرآباد: آندھرا پردیش اردو نیوز پیپرس اینڈ پیریاڈیکلس ایسوسی ایشن (رجسٹرڈ) کے ایک اجلاس میں جو صدر ایسوسی ایشن جناب معین فاروقی کی زیر صدارت "رہنمائے دکن" پر منعقد ہوا اخبارات میں اردو صحافت کے مسائل اور وسائل، موقف اور مشکلات پر تفصیل سے غور کیا گیا اور اس خصوص میں حکومت آندھرا پردیش سے موثر نمائندگی کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

ابتدا میں جنرل سکریٹری جناب عارف الدین سلیم نے ایسوسی ایشن کی سرگرمیوں اور آئندہ کے پروگرام پر روشنی ڈالی ایسوسی ایشن کی جانب سے شہر کے علاوہ ریاست کے تمام اضلاع میں رکنیت سازی شروع کرنے کی تجویز بھی منظور کر لی گئی۔ سکریٹری ایسوسی ایشن چودھری سید عبدالرحمن نے اضلاع کے تمام اردو پبلشرس سے بھی خواہش کی ہے کہ وہ ایسوسی ایشن کے رکن بن جائیں۔ اس خصوص میں درخواست فارم اور دیگر تفصیلات ایسوسی ایشن کے دفتر واقع روزنامہ انگارے معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد ۱ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

● رہنمائے دکن

ہماری زبان

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

منیجر

تبصرہ

ڈاکٹر ناصر حسین نقوی

کتاب : دنیا کہیں جسے
مصنف : ڈاکٹر عشرت انور
ناشر : انٹرنیشنل لٹریچر سوسائٹی، حالی روڈ
مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ
قیمت : پانچ روپے

ڈاکٹر عشرت حسین انور صاحب اب تک اپنے افکار و آرا نثر کے قالب میں پیش کرتے رہے ہیں۔ ان کی تصانیف میں "الہیات اقبال"، "اقبال کا فکری پس منظر" اپنشد، گیتا اور قرآن میں عدم تشدد کی روایت، چار سوتر، سانکھیہ کھنڈن اور مبادیات الہیات شائع ہو کر اہل علم سے خراج عقیدت وصول کر چکی ہیں۔ اب موصوف نے اپنے افکار و آرا کے اظہار کے لئے صنف نظم کا انتخاب فرمایا اور "دنیا کہیں جسے" اس مجموعہ کا نام رکھا اگرچہ اس سے پہلے ان کی فارسی مثنوی سرود بے خودی شائع ہو کر اہل علم کے حلقہ تک پہنچ چکی ہے لیکن اردو نظم ابھی تک ان کے رشحات قلم سے محروم تھی۔ "دنیا کہیں جسے" نے اس کمی کو غالباً پورا کر دیا ہے۔

جیسا کہ موصوف کی تصانیف کی فہرست سے ظاہر ہوگا انور صاحب کا خاص موضوع فلسفہ ہے اور وہ اب تک اسی موضوع پر کام کرتے رہے ہیں۔ اردو نظم کے لئے یہ موضوع نہ صرف نیا بلکہ ایک حد تک نامانوس بھی ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مجموعۂ کلام کو رک رک کر ٹھہر ٹھہر کر اور غور و فکر سے پڑھا جائے اور اس سے اس شعریت اس ورچ اور اس نازک بیانی کا مطالبہ نہ کیا جائے جو ہماری رگ و پے میں سرایت کر کے بڑی حد تک ہمارے قویٰ کو مضمحل اور دل کو مردہ بنا چکا ہے اس مجموعۂ کلام سے صحیح طور پر لطف اندوز ہونے کے لئے ذہن کا تربیت یافتہ اور دوراندیش ہونا ضروری ہے۔ ورنہ یہ مجموعہ کلام ایک بے برگ و گیاہ صحرا نظر آئے گا جس کے لئے مصنف نہیں بلکہ قاری کی نگاہ قصوروار ٹھہرائی جائے گی۔

ہمارے خیال میں ابھی تک اردو نظم اس قابل نہیں ہو سکی ہے کہ اعلیٰ فلسفیانہ خیالات کو مناسب اور برمحل الفاظ اور انداز میں سمیٹ سکے اور مصنف کے مافی الضمیر کی من وعن عکاسی کر سکے۔ اس لئے ایسے افکار پیش کرتے وقت یا تو نثر کا سہارا لینا چاہئے یا پھر کچھ ایسے رموز و علائم کے ذریعہ اپنی بات کہنی چاہئے جس سے اردو داں طبقہ کے کان کسی نہ کسی حد تک آشنا ہوں۔ ہم نے جن رموز و علائم کی طرف ابھی اشارہ کیا ہے ان کی کمی "دنیا کہیں جسے" کو خاصی مشکل بنا دیتی ہے۔ لیکن غالباً موضوع کی وجہ سے ایسا ہونا ناگزیر تھا۔

اس مجموعے کے چند اچھے شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

میں وہ اک ابر کا ٹکڑا ہوں کہ سب کے غم میں
میرا سایہ بھی مرے واسطے سایہ نہ ہوا

کیا ضرورت ہے کہ سب ہوں رنگِ گل پر ہی فدا
حاملِ ذوقِ بہارِ جاوداں کوئی تو ہو

ظاہراً گرچہ نظام زندگی برہم نہیں
زندگی میں ایک دم بھی ایک سا عالم نہیں

(اس شعر میں جناب گوتم بدھ کے فلسفہ زماں کو جن مختصر ترین الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وہ انور صاحب ہی کا حصہ ہے)

دونوں جہاں کی سوزشیں اس کے ہی دم سے ہیں
کہنے کو آدمی فقط اک مشت خاک ہے

اس مجموعے کلام کی کتابت اچھی کاغذ اور طباعت اعلیٰ ہے جو خوبصورت گرد پوش سے مزین ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے فلسفہ کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کی جو خدمت کی ہے وہ نہ صرف قابل ستائش ہے بلکہ دوسروں کے لئے نشان راہ بھی ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا
REGD- NO- L. 922   فون نمبر ۲۹   R. NO- 2186 / 57